مصادر اسلامیہ پر ابن وراق کی تنقیدات کا تجزیاتی مطالعہ

* محمد ناصر محمود وڑائچ

** محمد فیروزالدین شاہ کھگہ

Abstract

Ibn Warraq is an apostate of Pakistani origin and well-known among the literary circles of the West for his polemical works on origins of Islam. He has been frequently appearing on electronic as well as print media having subjective discussion on the basic Islamic sources. With a Muslim background, he has been affecting the minds of Muslims and non-Muslims as well for the last fifteen consecutive years. He has collected the writings of biased Orientalists comprising of harsh critical study of text of the Qur'ān, Hadith and Sirah to disprove their authenticity. Unfortunately, being a former Muslim with literary makeup, he has gathered attention of the Western media and there people are listening his harangues and buying his books. In this paper it is endeavored to expose Ibn Warraq's approach to the text and authenticity of the Qur'ān and the sources of Sirah particularly in their historical context and his personal agenda under the guise of scholarship.

Keywords: Ibn Warraq, Native Orientalism, Revisionism, Higher Criticism, Origins of the Qura'an.

زمانے کے بدلتے رجحانات اور تقاضوں کے ساتھ ساتھ اسلام پر تنقید کے طریقے بھی بدلتے رہتے ہیں۔ عصر حاضر میں اسلامی علوم پر تنقید و تنقیح کا ایک نیا رخ سامنے آیا ہے جس میں اصلی مستشرقین کی بجائے مرتدین اسلام یا نام نہاد سیکولر مسلمان پیش پیش ہیں۔اس کے پس منظر میں ۱۱ ستمبر۲۰۰۱ ء کا وہ حادثہ ہے جس کے نتائج نے بڑی حد تک تہذیبی اور معاشرتی نقطہ نظر سے دنیا کو تبدیل کر دیا ہے۔اس واقعہ نے مغرب کی ادبی غیر جانبداری اور اخلاقی قدروں کے خوشنما دعوؤں کے پول کھول دیے'مغربی طاقتوں نے خیر وشر اور جائز و ناجائز کے معیار اپنے مفادات کے مطابق طے کیے اور فتنہ پرداز مرتدین' اسلام کے مفسر اور مصلح (Reformist) قرار پائے۔

مغربی عوام میں اسلام فہمی کا شدید رجحان پیدا ہوا جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مغربی ذرائع ابلاغ پر ابن ورّاق' ارشاد مانجی' وفا سلطان' تسلیمہ نسرین' جیسے مرتدین کو اسلام کی غلط تفسیر کی ذمہ داری سونپ دی گئی تاکہ اکیسویں صدی کی صلیبی جنگ میں اہل اسلام کے خلاف عالمی برادری کی حمایت حاصل کی جاسکے۔

---

* لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا۔

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا۔

ان آبائی مستشرقین (Native Orientalist) میں سے ایک ابن ورّاق ہے جو گزشتہ دس برس سے، اسلامی پس منظر کے ساتھ، مغرب کے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر اسلامی مصادر کے تنقیدی و معروضی مطالعہ کے عنوان کی آڑ میں اسلام پر مسلسل گرج برس رہا ہے۔ ابن وراق کا مغربی ادبی حلقوں میں پرجوش خیر مقدم کیا گیا ہے اور اس کی علوم اسلامیہ پر تنقید کو مغربی تنقیدی ادب میں اہم اضافہ قرار دیا گیا ہے۔ مشہور امریکی جرنلسٹ ٹوبی لیسٹر (Toby Lester) نے اپنی خوشی کا اظہار یوں کیا ہے:

"یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ سلمان رشدی کے معاملہ کے (سنگین) نتائج کے باوجود ایک سیاہ فام مسلمان کی تنقیدی فکر نے قرآن پر تنقید کے سلسلے کو رکنے نہیں دیا جیسا کہ اس کے مجموعہ مضامین "The Origins of the Koran" سے واضح ہے"۔(۱)

اگرچہ ابن وراق تنقیدی ادب میں سوائے مستشرقین کی تحریروں کے تراجم، جمع وتدوین اور اشاعت کے کسی نئی جہت کا اضافہ نہیں کر سکا اور اس کی اسلامی موضوعات پر ابحاث کی حیثیت تنقید برائے تنقید اور 'میں نہ مانوں' سے زیادہ کچھ نہیں تاہم یہ حقیقت ہے کہ اسلام کے بنیادی علم، تحقیقی مزاج اور ادبی ذوق کی بدولت اس نے امریکہ اور یورپ کے علمی و ادبی حلقوں میں ایک مقام حاصل کر لیا ہے۔ جدید ابلاغیاتی وسائل پر دسترس اور مغربی اسٹیبلشمنٹ کی حمایت کے باعث وہ مغربی عوام، دیگر تعلیم یافتہ غیر مسلموں اور سیکولر مسلمانوں خاص طور پر مذہب سے باغی آزاد نوجوان نسل کو اپنی تحریر اور تقریر سے متاثر کر رہا ہے۔ اسی مقصد کے پیش نظر وہ یورپ وامریکہ کی کئی یونیورسٹیوں میں طلبہ سے خطاب بھی کر چکا ہے۔

تعارف:

ابن ورّاق، ایک پاکستانی نژاد یورپین باشندہ ہے جو کبھی مسلمان تھا لیکن اب مرتد ہو کر لادین ہو چکا ہے۔ ابن ورّاق ایک فرضی نام ہے جو اس نے اپنی اصلیت چھپانے کے لیے اپنا رکھا ہے تاکہ مسلمانوں کے غیض و غضب سے محفوظ رہ سکے۔ یہ نام اسلامی تاریخ میں عباسی دور حکومت کے ایک معروف معتزلی عالم ابو عیسیٰ محمد بن ہارون بن الوراق (م ۹۰۹ء) المعروف 'الوراق' کے نام پر اختیار کیا گیا ہے جنہوں نے اپنی مشہور تصنیف "ردالثلاثۃ فرق من النصارٰی" میں عیسائیت کے عقیدہ تثلیث کا عقلی اور کلامی بنیادوں پر رد کیا تھا۔ ہمارا خیال ہے کہ 'ابن وراق' کا نام اختیار کرنے کے پس منظر میں نویں صدی عیسوی کے الوراق کی عیسائیت پر شدید تنقید کا بدلہ چکانے کے لیے اور اس کے ذریعے عیسائی دنیا میں سرخرو ہونے کی منطق کارفرما ہے۔

ابن وراق ۱۹۴۶ء میں بھارت کے شہر راجکوٹ میں پیدا ہوا۔ تقسیم ہند کے بعد اس کے والدین ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے پاکستان چلے آئے اور کراچی میں سکونت اختیار کی۔ ابن وراق کے مطابق اس نے ایک دینی مدرسہ سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی اور بعد ازاں اس کے والد نے اسے تعلیم کے لیے برطانیہ بھیج دیا۔ برطانیہ کی ایڈنبرا (Edinburg) یونیورسٹی میں اس نے مشہور مستشرق منٹگمری واٹ (Montgomery Watt) سے عربی زبان پڑھی۔ کالج سے فارغ ہونے کے بعد پانچ سال تک ابن وراق ایک پرائمری سکول میں پڑھاتا رہا۔ ۱۹۸۲ء میں وہ اپنی بیوی کے ہمراہ فرانس چلا گیا جہاں اس نے ایک ہندوستانی ریستوران کھولا اور بعد ازاں ایک ٹریول ایجنٹ کے ساتھ بھی کچھ عرصہ کام کیا۔ ۱۹۸۸ء میں سلمان

رشدی کی "شیطانی آیات" پر جب اس پر قتل کا فتویٰ لگا تو اس کو خوب شہرت ملی۔ سلمان رشدی کی یہ شہرت اور مغربی ممالک کے اسلام مخالف خلقوں میں پذیرائی پر ابن وراق جیسے حرس وہوس کے مارے ہوئے کئی نام نہاد مسلمانوں کی رال ٹپک پڑی۔ ابن وراق نے بھی فوری اور آسان دولت وشہرت کے لیے اسلام چھوڑ کر سلمان رشدی کی پیروی کا فیصلہ کر لیا۔ ابن وراق خود سلمان رشدی کے واقعہ کو اپنے ارتداد کے لیے ایک نقطہ انقلاب سمجھتا ہے :

> ۱۹۸۹ء میرے لیے (اسلام چھوڑنے کا) نقطہ انتہا تھا' جب سلمان رشدی کی "شیطانی آیات" کے خلاف فتویٰ جاری کیا گیا۔ رشدی نے تو اظہار رائے کی آزادی پر اعتماد کرتے ہوئے کتاب لکھی تھی۔ کوئی کتاب کو پسند کرے یا نہ کرے لیکن لکھنا اس کا حق ہے۔ جیسے رشدی نے خود لکھا ہے کہ رائے کی آزادی کا مطلب ہے دوسروں کو پریشان کرنا ورنہ یہ آزادی بے فائدہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ فکری آزادی وہ اخلاقی قدر ہے جس کا دفاع کرنا چاہیئے۔ اس کا دفاع بھی اظہار رائے کی آزادی' شعوری آزادی' مختلف حیثیتوں سے کام کرنے کی آزادی اور مغربی نظام عدل کی طرح ہمیں مغرب ہی میں کرنا ہوگا۔(۲)

سلمان رشدی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ابن وراق نے بھی اپنی صلاحیتوں' اسلام کے بنیادی علم اور یورپی زبانوں پر دسترس کو اسلام پر نقد وجرح کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کا آغاز اس نے امریکہ سے چھپنے والے ایک رسالے American Secular Humanist Free Inquiry Magazine سے کیا۔ ایک عرصہ تک اس کے اسلام پر تیز وتند تنقید پر مبنی مضامین اس رسالہ میں شائع ہوتے رہے جو ۱۹۹۵ء میں اس کی کتاب " Why I Am Not A Muslim" کی صورت میں شائع ہوئے۔ یہ کتاب اس قدر متعصب اور اسلام دشمن مواد پر مشتمل تھی کہ فرانس کے ادبی حلقوں میں اس کا عملی طور پر بائیکاٹ کیا گیا۔ خود ابن وراق نے بھی یہ حقیقت تسلیم کی ہے :

"جب میری کتاب کا فرانسیسی ایڈیشن شائع ہوا تو عملی طور پر اس کا بائیکاٹ کیا گیا لیکن اب فرانسیسی میڈیا میرے پیچھے پیچھے ہے"۔(۳)

اب صورتِ حال یہ ہے کہ ابن وراق کی تحریریں ایک تسلسل سے یورپ اور امریکہ کے معروف رسالوں اور میگزین جیسے "دی وال سٹریٹ جنرل"(The Wall Street General)' "دی سپیکٹیٹر" (The Spectator) اور "دی گارڈین"(The Guardian) وغیرہ میں شائع ہو رہی ہیں۔ کئی ٹیلی ویژن چینلز اور ریڈیو اسٹیشنز سے اس کے انٹرویوز نشر ہو چکے ہیں۔ انٹرنیٹ ویب سائٹس اس کے اسلام دشمن نظریات سے بھری پڑی ہیں۔ وہ نہ صرف مختلف ممالک کے حکومتی ایوانوں بلکہ اقوام متحدہ کے جنیوا میں منعقدہ اجلاس میں خطاب بھی کر چکا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اگر تنقید کے ذریعے اسلام جیسے متعصب' جامد اور آمرانہ مذہب پر قابو نہ پایا گیا تو یہ روشن خیالی' انسانی حقوق' انفرادیت' جدّت اور سچ کا گلا دباتا ہی رہے گا۔(۴)

اس وقت یورپ وامریکہ کے ادبی حلقوں میں ابن ورّاق کی وجہ شہرت اس کی پیغمبر اسلام ﷺ' قرآن اور اسلامی معاشرت پر توہین آمیز تنقید ہے۔ اسلامی پس منظر اور اسلام کے بنیادی علم کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ابن وراق نے علوم اسلامیہ

کے بنیادی مآخذ کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔اس نے قرآن کریم اور سیرت النبی ﷺ پر مستشرقین کے گزشتہ تین صدیوں پر محیط معروضی مطالعہ اور رجحان پذیر تنقیدی فکر کو ضخیم کتب کی صورت میں یکجا کر دیا ہے۔۱۹۹۸ء میں اس کی کتاب The Origins of the Koran; Classic Essays on Islam's Holy Book شائع ہوئی جس میں اس نے متعصب مستشرقین کے قرآن کریم پر تنقیدی مضامین کو جمع کیا تھا۔ ۲۰۰۰ء میں اس نے سیرت طیبہ اور اس کے مآخذ کو موضوع بناتے ہوئے The Quest for the Historical Muhammad شائع کی جس میں انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی کے مستشرقین کی مصادرِ سیرت پر تنقیدی فکر کو یکجا کیا گیا ہے۔

ابن وراق کی قرآنِ کریم پر تنقید کا ایک جائزہ:

قرآن کریم چونکہ شریعت اسلامی کا بنیادی مآخذ ہے اس لیے ابن وراق نے خاص طور پر اسے تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ اس نے قرآن کریم کے ماخذ، نص، زبان، جمع و تدوین اور حفاظت پر تنقید کر کے شکوک و شبہات کے بیج بونے کی کوشش کی ہے۔اس کا دعویٰ ہے کہ :۔

> "یہ ایمان رکھنا کہ قرآن کلام الٰہی ہے سراسر غیر منطقی اور خلاف عقل ہے۔ تھوڑا سا بھی غور و فکر کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن میں بہت سے الفاظ اور پیرا گراف ایسے ہیں جن میں خود خدا کو مخاطب کیا گیا ہے۔مزید یہ کہ قرآن تاریخی غلطیوں اور تناقضات سے بھرا پڑا ہے"۔(۵)

قرآن کریم پر تنقید کے ضمن میں اس کی اولین کتاب The Origins of the Koran: Classical Essays on Islam's Holy Book ہے۔ یہ کتاب علوم القرآن کے غیر معروضی مطالعہ پر مبنی تنقیدات اور مباحث پر مشتمل ہے۔ اختلافِ قرات کی بنیاد پر آرتھر جیفری اور مار گولیتھ (Margolith) کے نظریہ تحریفِ قرآن پر مضامین شامل ہیں۔ایک اور قابل بحث موضوع جمع و تدوین قرآن پر مستشرقین کے اعتراضات اور ان کی حقیقت حال سے آگاہی کا ہے۔ ابن وراق نے قرآن کریم کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی غرض سے تاریخ قرآن پر درج ذیل سوالات اٹھائے ہیں:

- قرآن ہمارے پاس کیسے پہنچا؟ قرآن کی تدوین اور منتقلی کس طرح ممکن ہوئی؟
- قرآن کی کتابت کب اور کس نے کی؟
- قرآن کے مآخذ کیا ہیں؟ قرآن میں بیان کردہ قصص، فلسفہ اور اصول و نظریات کہاں سے حاصل کیے گئے ہیں؟
- قرآن کیا ہے؟ ہمیں اس کی ثقاہت کے بارے کچھ فیصلہ کرنا ہو گا۔(۶)

اسی ضمن میں اس نے جن مستشرقین کے مضامین کا انتخاب کیا ہے انہوں نے بھی حفاظت قرآن پر نقد و جرح کے لیے بنیادی طور پر قرآن کی جمع و تدوین کو موضوع تنقید بنایا ہے۔ان اعتراضات سے مستشرقین کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ قرآن پیغمبر اسلام ﷺ کے عہد میں مرتب و مدوّن نہیں کیا گیا تھا۔ مثلاً نولڈکے (Noldeke) کی رائے ہے کہ قرآن کے مختلف حصے کیسے مدون و مرتب ہوئے یہ امر غیر یقینی ہے کیونکہ ہماری معلومات کی حد تک محمد (ﷺ) امی تھے جو

لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور خود مسلمانوں کے مابین بھی محمد (ﷺ) کے امیّ ہونے پر بڑی بحث ہو چکی ہے۔ نیز محمد (ﷺ) نے خود بھی وحی کو ایک مکمل اور مستند نسخہ کی صورت میں محفوظ کرنے کا کبھی نہیں سوچا تھا۔(۷)

نولڈیکے کا اصرار ہے کہ چونکہ قرآن عہدِ نبوی ﷺ میں مدوّن کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا تھا اسی لیے کسی صحابی کو مکمل قرآن حفظ نہیں تھا چنانچہ قرآن میں دانستہ یا نادانستہ طور پر تحریف کا خطرہ تھا اور اسی خطرہ کے پیشِ نظر حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو قرآن کے تمام حصے جمع کرنے کا مشورہ دیا تھا۔(۸)

الفونس منگانا(Alphonse Mingana) نے حضرت ابو بکرؓ کے دور میں حضرت زید بن ثابتؓ کی جمع وتدوین قرآن کی مساعی کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور حضرت زید بن ثابتؓ کی قابلیت و دیانت پر شک کرتے ہوئے قرآن کریم کو محرف قرار دینے کی بھرپور کوشش کی ہے۔اس کے نزدیک:

"قرآن کی ثقاہت کی واحد ضمانت زید بن ثابت کی شہادت ہے اور اسی وجہ سے ایک سکالر، جسے یہ شک ہے کہ قرآن کا ایک واقعی محمد (ﷺ) نے استعمال کیا تھا یا زید نے اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے یا عرب قراء کی خفیف شہادت کا نتیجہ ہے، اصول انتقادِ اعلیٰ سے اعراض نہیں کر سکتا"۔(۹)

اسی منہج کو اپناتے ہوئے آرتھر جیفری(Arthur Jeffery) اور لیون کیتانی (Leone Caetani) نے بھی قرآن کریم کی جمع وتدوین پر شکوک کا اظہار کیا ہے۔

ابن وراق اور اس کے منتخب مستشرقین کی آراء کے دیانتدارانہ اور غیر جانبدارانہ جائزے سے یہ واضح ہے کہ ابن وراق نے کوئی نئی دریافت پیش نہیں کی بلکہ گزشتہ دو صدیوں کے قرآن کریم پر گھسے پٹے اعتراضات کا اعادہ کیا ہے اور مستشرقین کے افکار بھی خالصتاً تحقیقی بنیادوں کی بجائے تعصب اور غیر علمی سوچ پر مبنی ہیں۔ابن وراق کو اگر اسلامی علوم کے مطالعہ کی توفیق ہوتی تو جان لیتا کہ ایک وسیع ذخیرہ حدیث اس پر شاہد ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں قرآن کریم کی جمع وتدوین کا ہر ممکن اہتمام فرمایا۔کسی بھی دستاویز کی حفاظت کے جو ممکن طریقے ہو سکتے ہیں وہ دو ہیں، ایک متن کو زبانی یاد کرنا اور دوسرے لکھ کر محفوظ کرنا۔ یہ دونوں طریقے نصِ قرآنی کی حفاظت کیلئے اپنائے گئے۔صحابہ کرامؓ کی ایک کثیر تعداد نے حضور اکرم ﷺ کی موجودگی میں قرآن حفظ کر لیا تھا۔علامہ جلال الدین سیوطی نے ۴۰ حفّاظ صحابہؓ کے نام ذکر کیے ہیں اور بہت سے دوسرے حفاظ صحابہؓ بھی ہیں جن کے نام تاریخ میں محفوظ نہیں رہ سکے۔ ۷۰ حفاظ صحابہؓ تو بئیر معونہ کے مقام پر شہید ہوئے اور ایک روایت کے مطابق ۷۰۰ حفاظ کرام نے جنگِ یمامہ میں شہادت پائی۔(۱۰)

مستشرقین کا زیادہ اصرار عدم کتابت قرآن پر ہے جس کے رد میں بھی بے شمار دلائل موجود ہیں کہ عہدِ نبوی ﷺ میں مکمل قرآن لکھ کر محفوظ کر لیا گیا تھا۔حضرت زید بن ثابتؓ (مشہور کاتب وحی ہیں) فرماتے ہیں کہ ہم حضور اکرم ﷺ کی موجودگی میں مختلف پارچات پر قرآن جمع کیا کرتے تھے۔(۱۱) حضرت عمر بن خطابؓ روایت کرتے ہیں:

ان رسول الله ﷺ نهى ان يسافر با لقرآن الى ارض العدو. (۱۲)

رسول اللہ ﷺ قرآن لے کر دشمن کی زمین میں سفر کرنے سے منع فرماتے تھے۔

حضور اکرم ﷺ کی مشہور حدیث ہے :

قرأة الرجل فی غیر المصحف الف درجة و قرأته فی المصحف تضاعف علی ذلك الفی درجه. (۱۳)

آدمی کا بغیر مصحف (یعنی زبانی) قرآن پڑھنا ہزار درجہ ثواب رکھتا ہے اور مصحف میں (دیکھ کر) پڑھنے کا ثواب بغیر مصحف (یعنی زبانی) پڑھنے کے ثواب سے دو ہزار درجہ تک زیادہ کیا جاتا ہے۔

مکمل قرآن کے موجود ہونے کی شہادت نبی اکرم ﷺ کے خطبہ حجۃالوداع سے بھی ملتی ہے۔ذخیرہ حدیث سے بے شمار شواہد موجود ہیں کہ عہد نبوی ﷺ میں مکمل قرآن مدون ہو چکا تھا۔ نولڈیکے کو اس روایت پر تو اعتماد ہے کہ آپ ﷺ امی تھے لیکن دوسری مستند و ثقہ روایات جن میں آپ ﷺ کی کتابت وحی کے اہتمام کا ذکر ہے ان کا انکار کرتا ہے ۔ یہ رویہ ایک غیر جانبدرانہ اور منطقی تحقیق کے منافی ہے جو تعصب اور حقائق سے اعراض کے زیادہ قریب ہے۔ عقلی اور منطقی لحاظ سے بھی قرآن کریم کا آپ ﷺ کے عہد مبارک میں مدون و محفوظ ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ ایک دین اور شریعت کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں اور اس دین و شریعت کی بنیاد ہی قرآن کریم ہے ' اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل اسی وقت ممکن ہے جب وہ اصلی حالت میں موجود ہوں لہٰذا یہ بعید از قیاس ہے کہ آپ ﷺ ۲۳ برس تک لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کی دعوت دیتے رہے لیکن احکامات الٰہی کو مدون کرنے یا ضبط تحریر میں لا کر حفاظت کا کوئی اہتمام نہ کیا گیا۔حالانکہ آپ ﷺ نے قرآن مجید کو مدون کرنے کا جو اہتمام کیا وہ اس اہتمام سے کسی بھی طرح کم نہ تھا جو آپ ﷺ نے یادداشت کے ذریعہ قرآن کو محفوظ رکھنے کے لیے کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ مستشرقین کے اعتراضات محض مفروضات کی بنیاد پر ہیں جن کا منقولی اور تاریخی ثبوت اور نہ ہی کوئی معقولی جواز۔

یہ بات طے ہے کہ حضور ﷺ نے حفاظت قرآن کے لیے تمام ممکن ذرائع اختیار فرمائے۔ تاہم یہ تمام جمع شدہ قرآن دو جلدوں کے درمیان ' ایک کتاب کی شکل میں نہیں بلکہ مختلف پارچات کی صورت میں تھا کیونکہ آپ ﷺ کی رحلت سے چند دن پہلے تک نزول قرآن کا سلسلہ جاری تھا اس لیے ایک کتاب کی شکل نہ دی جا سکی۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد سلسہ وحی ختم ہوا' آیات کے نسخ کا حتمی فیصلہ ہو گیا اور سورتوں میں آیات کی ترتیب بھی مکمل ہو چکی تھی اس لیے ضروری تھا کہ تمام قرآن کریم کو ایک مکمل اور منضبط کتاب کی شکل دی جائے۔علاوہ ازیں جنگِ یمامہ (۱۱ھ) میں حفاظ صحابہ کرامؓ کی شہادت سے قرآن کے ضائع ہونے کے خدشات بھی جمع و تدوین کے دوسرے مرحلے کا باعث بنے۔ اس مرحلے کے لیے حضرت ابو بکر و عمرؓ نے حضرت زیدؓ کا انتخاب کیا۔

یہاں اس سوال کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے کہ دوسرے اکابر اور ممتاز صحابہؓ کی موجودگی میں جمع قرآن کیلئے حضرت زیدؓ کا ہی انتخاب کیوں کیا گیا؟ اس سوال کے جواب کے لیے ہمیں یہ ذہن میں رکھنا ہوگا کہ حضرت زیدؓ کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ آپؓ نا صرف کاتبِ وحی تھے قرآن کریم کے حافظ بھی تھے اور ایک عرصہ تک حضور ﷺ کے ہمسائے بھی رہے تھے۔ حضور ﷺ عام طور پر وحی کی کتابت کیلئے سب سے پہلے انہیں ہی طلب فرماتے تھے۔مزید ان کی وہ خوبیاں ہیں جن کا اظہار

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انہیں یہ ذمہ داری سونپتے ہوئے کیا تھا کہ "کہ تم عقل مند اور جوان ہو ہم تم پر کسی قسم کا شبہ نہیں کرتے اور تم رسول اللہ ﷺ کے لئے وحی لکھا کرتے تھے 'اس لیے قرآن کو تلاش کرو اور اس کو جمع کرو "۔(۱۴)

حضرت زیدؓ پر اعتراضات سے پہلے الفونس منگانا نے اگر ان روایات پر غور کر لیا ہوتا تو اس پر حضرت زید بن ثابتؓ کی وہ لیاقت' صلاحیت اور دیانت واضح ہو جاتی جس کی بنیاد پر دو جلیل القدر ہستیوں نے یہ عظیم مشن انہیں سونپا تھا۔ حضرت زیدؓ کے حوالے سے الفونس منگانا کا ایک اور اعتراض کہ قرآن کے واحد اور حقیقی جامع (Real Compiler) زیدؓ تھے اور قرآن ان ہی کے رحم و کرم پر تھا' کم علمی یا تعصب پر مبنی ہے۔ کیونکہ قرآن کریم حضرت زیدؓ کی ذاتی کتاب نہ تھی کہ وہ گھر میں بیٹھ کر اپنے حافظے اور اور اپنے پاس موجود مخطوطات کی بنیاد پر قرآن مرتب کر لیتے اور اپنی مرضی سے مواد میں کمی بیشی کرتے رہتے بلکہ سرکاری طور پر حضرت بلالؓ بن رباح نے مدینہ کی گلیوں میں اعلان کیا کہ وہ تمام صحابہؓ جن کے پاس قرآن کریم کے نسخے موجود ہوں لے آئیں۔(۱۵) کیونکہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت زید کو حکم دیا تھا کہ وہ مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھ جائیں اور جو بھی قرآن کا کوئی حصہ لکھا ہوا لے کر آئے اور اس پر دو گواہ بھی ہوں تب اس کو جمع کریں۔(۱۶) علاوہ ازیں حفاظ صحابہؓ کی ایک قابل ذکر تعداد کی موجودگی میں زیدؓ کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ قرآن میں وہ کسی حرف کا اضافہ یا کمی کر سکتے۔ دوسرے ان کی سچائی اور دیانت کے مد نظر ہی جمع قرآن کی ذمہ داری انہیں سونپی گئی تھی۔ تیسرے جمع قرآن کے دوران کسی بھی قسم کی غلطی سے حفاظت کیلئے حسب ذیل کڑے اصول طے کیے گئے تھے جن کی روشنی میں حضرت زیدؓ اور ان کے رفقاء کسی نص کے قرآن ہونے کی تصویب و توثیق کرتے تھے :

- تحریری مواد کی صحت کے لیے لازمی تھا کہ وہ حضور ﷺ کی موجودگی میں ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہو۔ جو مواد بعد میں حافظے کی بنیاد پر لکھا گیا تھا اس کو لائق اعتناء نہ سمجھا گیا۔(۱۷)
- تحریری مواد کی تصدیق کے لیے دو گواہوں کی شہادت بھی ضروری تھی یعنی دو قابل اعتماد اشخاص اس بات کی گواہی دیتے کہ انہوں نے ان آیات کی تلاوت حضور ﷺ سے خود سنی تھی۔(۱۸)

یہ انتقادِ اعلیٰ کے وہ اصول ہیں جو کسی بھی دستاویز کی توثیق و تصویب کا ثبوت ہوتے ہیں اور ان کی بنیاد پر ہی کسی تحریر کی استنادی حیثیت معلوم کی جا سکتی ہے کیونکہ کسی بھی اصل متن تک رسائی کے لیے مرتب کو مختلف نسخوں کا تقابل کرنا پڑتا ہے لیکن سب نسخے صحت کے اعتبار سے یکساں نہیں ہوتے۔اس لیے نسخوں کی جانچ پرکھ اور درجہ بندی کے کچھ اصول مشہور مستشرق برجسٹراسر نے طے کیے ہیں جن میں سے چند اہم ترین حسبِ ذیل ہیں :۔

- قدیم نسخے جدید نسخوں کی نسبت زیادہ قابل اعتبار ہوتے ہیں۔
- وہ نسخے جن کی غلطیوں کی اصلاح اور نظر ثانی کاتب نے مصدر اصلی سے تقابل کے بعد کی ہو' باقی تمام نسخوں سے قابل ترجیح ہیں۔
- اولین اور اصلی نسخہ کی موجودگی میں ان تمام نسخوں کی کوئی اہمیت نہیں جو اس سے نقل کیے گئے ہوں۔(۱۹)

مسلمانوں کو بلاشبہ اس پہ فخر ہونا چاہئے کہ انہوں نے چودہ سو سال پہلے دنیا کو اصولِ انتقادِ اعلیٰ کی وہ بنیادیں فراہم کیں جن کی آج بھی پیروی کی جاتی ہے اور جن کی روشنی میں کسی دستاویز کی ثقاہت کا معیار طے کیا جاتا ہے۔

مذ کورہ بالا ابحاث کے علاوہ اس کتاب سے ایک سنجیدہ سکالر کو، جو واقعی "قرآن کی بنیادوں" کے متعلق جاننا چاہتا ہو، کچھ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ وحی کی حقیقت یا اس کی حقانیت کے دلائل پر کوئی بحث شاملِ کتاب نہیں ہے۔ حالانکہ کتاب کے عنوان؛The Origins of the Koran کے تحت لازمی طور بحث ہونا چاہیے تھی کہ پیغمبر اسلام ﷺ لوگوں کو جو پیغام دیتے رہے وہ حق تھا یا نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید مکرر اس بات کا اعادہ کرتا ہے کہ قرآن ایک انسانی کاوش ہرگز نہیں بلکہ "تنزيل من رب العلمين" ہے۔ اب اس میں ایک ہی رائے ہو سکتی ہے کہ آیا پیغمبر اسلام ﷺ نے اسے کلامِ الٰہی تسلیم کیا اور عوام الناس کو یہی بتایا یا نہیں۔ اگر رائے نفی میں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ ﷺ مقام نبوت پر فائز نہ تھے اور لوگوں سے غلط بیانی کی (نعوذ باللہ)۔ اگر اس رائے کو فرضی طور پر تسلیم کر بھی لیں تو یہ حضور ﷺ کے اعلیٰ اور کریمانہ اخلاق، تمام صحابہ کرامؓ کی حضور ﷺ سے محبت اور ایثار و قربانی کے ارفع جذبات و واقعات کے خلاف ہے کہ اتنی کثیر تعداد میں لوگ ایک جھوٹے انسان کے گرویدہ نہیں ہو سکتے۔

جب پہلی وحی کے نزول کے وقت آپ ﷺ پر گھبراہٹ اور پریشانی کے آثار ظاہر ہوئے تو آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو تسلی دی اور عرض کیا کہ "ہرگز نہیں، خدا کی قسم، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا، آپ ﷺ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، ناتوانوں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے ہیں، محتاجوں کے لئے کماتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں مصیبتیں اٹھاتے ہیں"۔ (۲۰) یہ وہ کریمانہ اخلاق ہیں جو ایک سطحی آدمی کے عکاس نہیں بلکہ اس فرد کے خارجی معاشرتی عمل کی عکاسی کرتے ہیں جو انسانیت کے لیے ایک گہری ہمدردی اور عالمی فلاحی نفسیات کا حامل ہو۔

اب ہر ایک کو یہ اختیار ہے کہ وہ حضرت خدیجہؓ کے بیان کردہ خصائل کو تسلیم کرلے، تمام صحابہؓ کے آپ ﷺ سے محبت و عقیدت کو مان لے تو اسے پیغمبر اسلام ﷺ کے اس موقف پر بھی ایمان لانا چاہئے کہ واقعتاً وحی کا نزول ہوا تھا نیز یہ کہ قرآن وحی الٰہی اور کلام اللہ ہے۔ اس صورت میں کوئی بھی قرآن پر اپنی خواہشات کے مطابق مفروضے قائم نہیں کر سکتا بلکہ اسے من و عن تسلیم کرنا ہوگا۔ یہی وجہ ہے مسلمان علماء کبھی اختلافات قراءات کے باعث شکوک و شبہات کا شکار ہوئے ہیں اور نہ ہی ان موضوعات پر گفتگو سے کبھی گھبرائے ہیں بلکہ وہ ان اختلافات کی موجودگی تسلیم کرتے ہیں اور اس حقیقت کا بھی ادراک رکھتے ہیں کہ قرنِ اولیٰ میں مسلمانوں نے قرآن کریم کی مختلف قراءات سے تلاوت کی ہے اور اس وقت اس کی ضرورت بھی تھی۔ ہاں بعد والی نسلوں اور عجمی لوگوں کو اختلافات باہمی کا شکار ہونے سے بچانے کے لیے پہلی بار حضرت عثمان غنیؓ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ امت کو ایک قراءت تک محدود رکھا جائے تاکہ مسلمان بھی یہود و نصاریٰ کی طرح صحت مصاحف پر اختلافات کی بنیاد پر آپس میں تقسیم نہ ہو جائیں۔

کتاب کا ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ اس میں ابن وراق ایک درست اور واضح سمت کا تعین نہیں کر سکا کہ اسے کیا کہنا ہے۔ ابن وراق کا منشاء "ایک سائنسی طریق کار کی بدولت اور منطقی عمل سے ان سچائیوں تک پہنچنا" (۲۱) اور آرتھر جیفری کے الفاظ میں "نصِ قرآنی کی تحقیق و تفتیش" (۲۲) ہے۔ لیکن مضامین کا انتخاب ابن وراق کے اس مقصد سے مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ ابن وراق نے مسلمان علماء کی اس موضوع پر تحقیق کو تو بالکل نظر انداز کر دیا ہے لیکن نظریہ نظر ثانی

(Revisionism) کے دعویدار جدید مغربی سکالرز کے ان نظریات کو بلاردّ و کد قبول کر لیا ہے جنہیں کوئی بھی ذی علم کسی 'منطقی تفتیش' کا نتیجہ قرار نہیں دے سکتا۔ حتیٰ کہ ابن وراق نے اپنے منتخب مضامین میں جو نظریہ نظر ثانی کے علمبرداروں پر تنقید پائی جاتی ہے اسے بھی نظرانداز کر دیا ہے۔ مثلاً اس نے اپنے تعارفی مضمون میں پڑیشیا کرون(Patricia Crone)اور مائیکل کک (Michael Cook) کی تصنیف "Hagarism" کی بڑی تعریف کی ہے اور کتاب کو ایک 'سحر انگیز اور دلکش علمی کاوش' (۲۳) قرار دیا ہے لیکن اسی کتاب میں اینڈریو رپن (Andrew Rippin) کی رائے پر شاید غور نہیں کیا جس نے غیر اسلامی مآخذ کے متعلق پڑیشیا کرون اور مائیکل کک کی فکر کو محدود اور ان کے ان مآخذ کو اختلافی قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ غیر اسلامی مآخذ بھی تعصب سے آزاد نہیں ہیں۔ (۲۴) ابن وراق کے طرزِ فکر کی صحیح ترجمانی اینڈریو رپن کے وہ الفاظ ہی کرتے ہیں جو اس نے کرون اور کک کی کاوشوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہے ہیں کہ ان کی فکر "علمی دیانتداری سے کمتر" ہے۔ (۲۵)

مزید برآں الفونس منگانا اور سینٹ کلیئر ٹسڈل (St. Clair Tisdall) متعصب عیسائی ہیں جن کے دو مضامین کا انتخاب بھی ابن وراق کی منتشر، غیر تحقیقی اور نزاعی فکر کا آئینہ دار ہے۔ ٹسڈل نے اپنے آرٹیکل میں یہودی، عیسائی اور زرتشتی ذرائع کو قرآن کے مآخذ فرض کرتے ہوئے لکھا ہے: "اگر ہم قرآنی تعلیمات کا کسی موجود ذرائع سے یا پیغمبر اسلام سے پہلے کے ذرائع سے کھوج لگا سکیں تو اسلام ایک دم سے زمین بوس ہو جائے گا" (۲۶) جبکہ منگانا کے نزدیک ہر وہ مواد قابل تردید ہے جو عیسائی مصاحف سے مطابقت نہیں رکھتا اور عرب (مسلمان) مصنفین کی آراء تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کا حوالہ دیا جا سکے۔ (۲۷)

قرآن کریم کے حوالے سے تو وہ ایک سائنسی اور علمی تحقیق و تفتیش پر مصر ہے لیکن مذکورہ بالا مستشرقین کے مضامین اس نے بغیر کسی نقد و جرح کے شامل کر لیے ہیں۔ مستند اور ثقہ اسلامی مآخذ کی موجودگی میں اس کتاب کے مندرجات کی اہمیت سوائے قرآن کریم بلکہ وسیع تناظر میں اسلام کو بدنام کرنے سے زیادہ کچھ نہیں۔

ابن وراق کی مآخذ سیرت پر تنقید کا جائزہ:

ابن وراق نے اپنی کتاب "The Quest for the Historical Muhammad" میں سیرت النبی ﷺ کے اسلامی مآخذ پر تنقید کو موضوع بناتے ہوئے انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی کے اہم مستشرقین کے مصادر سیرت پر تنقیدی افکار و نظریات کو جمع کیا ہے جن میں ارنسٹ رینان (Ernest Renan)، ہنری لیمنز(Heneri Lammens)، سی۔ایچ۔ بیکر (C.H Becker)، آرتھر جیفری (Arthur Jeffery)، جوزف شاخت(Joseph Schacht)، لارنس آئی۔ کانرڈ (Lawrence I. Conrad)، جوڈث کورن (Judith Koren)، یہودہ ڈی۔ نیفو (Yehuda D. Nevo)، ایف۔ ای۔ پیٹرز (F.E. Peters)، ہربرٹ برگ (Herbert Berg) اور جی۔آر۔ ہاٹنگ (G.R. Hawting) شامل ہیں۔ ابن ورّاق نے کتاب کے پہلے باب میں ارنسٹ رینان (Ernest Renan) کے حوالے سے پیغمبر اسلام ﷺ اور آغاز اسلام کی تاریخی حیثیت پر شکوک و شبہات ظاہر کیے ہیں اور اسلامی مصادر سیرت کی

ثقاہت کا استہزائیہ انداز میں انکار کیاہے اور ایسی کتب سیرت کی ضرورت پر اصرار کیا ہے جو مسلمانوں کے ہاں مستند تاریخی حقائق کی بجائے غیر مسلم ذرائع اور عقیدت کی بجائے تنقید پر مبنی ہوں۔(۲۸)

ہنری لیمنز کے دو مقالہ جات شامل کتاب ہیں جن میں کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی تاریخ نویسی میں سیرت کے فرضی مآخذ پر زور دیا جاتا رہا جن کی کوئی تاریخی حیثیت ہی نہیں۔اس کے مطابق ابتدائے اسلام کے متعلق تمام تر اسلامی علم ناقص تاریخی بنیادوں پر استوار ہے۔(۲۹) سی۔ایچ۔ بیکر کے مطابق "سیرت اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود فی نفسہ تاریخ کا ایک ثقہ مآخذ نہیں بلکہ احادیث کا ایک مجموعہ ہے جسے سیرت نگاری کے تقاضوں کے مطابق ترتیب دیا گیاہے۔حقیقت یہ ہے کہ احادیث اپنی نوعیت کے لحاظ سے قرآن کے مشکل مقامات کی تفسیر ہیں یا پھر بعد کے دور میں قوانین کو شرعی سند عطا کرنے کے لیے وضع کی گئیں یہی وجہ ہے کہ احادیث کا تفسیری اور نظریاتی پہلو ان کے تاریخی پہلو سے قدیم تر ہے"۔(۳۰)

آرتھر جیفری کا کہنا ہے کہ :

> اب وہ وقت آن پہنچاہے کہ پیغمبر اسلام (ﷺ) کی سیرت کا از سر نو جائزہ لیا جائے اور ایسے علمی و تنقیدی معیار طے کیے جائیں جن کی مستقبل میں پیروی کی جا سکے۔اس کام کے لیے اگر ہم شویٹزر (Schweitzer) جیسے عبقری اور علمی صلاحیتوں کے مالک کسی اسلامی سکالر کا انتظار کریں تو یہ انتظار بہت طویل ہو سکتا ہے ہمیں خود ہی اس قسم کی تفتیشی کوششوں کا آغاز کرنا ہوگا۔(۳۱)

جوزف شاخت کا خیال ہے کہ اسلامی روایات کا جدید مغربی علوم کی روشنی میں تجزیہ کرنا ضروری ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس سے کسی انکشاف کی توقع کی جاسکتی ہے یا نہیں؟اس کے بارے وہ پر اعتماد نہیں۔جوزف کا کہنا ہے کہ :

> نصوص کے شواہد کے نتائج نے دس سال کے عرصہ سے مجھے ورطہ حیرت میں ڈالے رکھا ہے لیکن میں ایسے نتائج کو قبول نہیں کر سکتا جو اسلام کی پہلی دو یا تین صدیوں کے ہمارے تنقیدی اور تاریخی مطالعہ کی بنیادوں سے ممکنہ طور مماثلت نہ رکھتے ہوں۔ان بنیادوں میں سے ایک بنیاد گولڈ زیہر (Goldziher) کی یہ دریافت ہے کہ محمد (ﷺ) اور ان کے صحابہ کی روایات اسلام کے اولین دور (جس دور سے ان کے تعلق کا دعویٰ کیا جاتا ہے) کے متعلق کوئی ثقہ معلومات بہم نہیں پہنچاتیں بلکہ یہ تیسری صدی ہجری کے رجحانات کی ترجمانی کرتی ہیں۔(۳۲)

لارنس آئی۔کانرڈ کا موقف یہ ہے کہ چھٹی صدی عیسوی کے نصف آخر کے واقعات کی ترتیب زمانی کے مطابق اسلامی روایت کئی بڑے مسائل جنم دیتی ہیں۔وہ عام الفیل میں رسول اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کی اسلامی روایت کو اس بنا پر مسترد کر دیتا ہے کہ غیر اسلامی روایات اس واقعہ کی تصدیق نہیں کرتیں۔اس کا اصرار ہے کہ غیر اسلامی اور بعض اسلامی روایت کے مطابق پیغمبرِ اسلام ﷺ عام الفیل میں پیدا نہیں ہوئے تھے۔(۳۳)

جوڈت کورن اور یہودہ ڈی۔نیفو نے اسلامی تاریخ کے معروضی مطالعہ کو ایک نئے رُخ سے روشناس کیاہے۔ان کی رائے یہ ہے کہ سیرت کے اسلامی مآخذ کی تصدیق غیر اسلامی ذرائع سے کرنی چاہیئے اگر دونوں میں اختلاف ہو جائے تو پھر غیر اسلامی ذرائع کو ترجیح دی جائے۔کیونکہ ان کے نزدیک نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کی تصدیق اسلامی روایت کے

وقوع پذیر ہونے سے قبل کے بازنطینی یا آرامی ذرائع سے نہیں ہوتی۔ اسلامی مآخذ کی اسلامی روایات کے علاوہ، دوسرے ذرائع مثلاً آثارِ قدیمہ کے شواہد سے تصدیق کے بارے نیفو (Nevo) کی رائے یہ ہے کہ ۷۱ھ/۶۹۱ء سے قبل کے نقش و نگار یا فنِ خطّاطی کے نمونوں سے پیغمبر اسلام ﷺ یا کسی صحابیؓ کے کسی شرعی قانون یا عقیدے کی تصدیق نہیں ہوتی۔ کلمہ "محمد رسول اللہ" کے اوّلین شواہد بھی خالد بن عبداللہ (۷۱ھ/۶۹۱ء) کے دور کے ایک عرب ساسانی سے ملتے ہیں۔(۳۴)

ایف۔ای۔پیٹرز نے البرٹ شوِیٹزر کی تنقیدی فکر کو سراہتے ہوئے تاریخ دانوں پر زور دیا کیا وہ شویٹزر کی طرح پیغمبر اسلام ﷺ کی تاریخی حیثیت پر سوالات اٹھائیں۔ خود پیٹرز نے شویٹزر کی پیروی کرتے ہوئے ایک آرٹیکل "The Quest for the Historical Muhammad" لکھا جس کی بنیاد بقول مصنف خود مسلم علماء میں سے ایک کا بیان ہے کہ ہم یقینی طور پر کسی روایت کو رسول اکرم ﷺ کے عہد کی یقینی خبر نہیں کہہ سکتے۔(۳۵)

ان مستشرقین کے علاوہ ہربرٹ برگ (Herbert Berg) اور جی۔آر۔ہاٹنگ (G.R. Hawting) کے مضامین بھی ابن ورّاق نے شامل کتاب کیے ہیں لیکن یہ دونوں مضامین مذکورہ مستشرقین کی کسی نئی پیش رفت کی بجائے مشہور مستشرق جان وانسبرو (Jhon Wansbrough) کے اسلامی مصادر کے تنقیدی مطالعہ پر مبنی افکار و نظریات کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہیں۔

زیر بحث کتاب دراصل البرٹ شوِیٹزر کی معروف کتاب "The Quest of the Historical Jesus" کی طرز پر ہے جس میں مصنف نے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق قلّت معلومات، غیر مستند مآخذ اور دستیاب مواد میں ترمیم و تحریف کے باعث آپؑ کو ایک مستند تاریخی شخصیت کی بجائے افسانوی وجود قرار دے کر اصلی اور تاریخی یسوع کی تلاش پر زور دیا تھا۔اس کے مطابق:

> یسوع ناصری خود کو تاریخی شخصیت کے جدید لبادے میں پیش کرنے کا تکلف نہیں کریں گے کیونکہ ہم ان کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ ہمیں ان کے بارے میں صرف یہ علم ہے کہ ان کے بارے کچھ نہیں جانتے۔(۳۶)

مغرب میں تاریخی یسوع کی تلاش ایک طویل عرصے تک موضوع بحث رہی ہے۔تاریخی یسوع پر ہرمین سیموئل ریماروس (Herman Samuel Reimarus) کے تہلکہ انگیز نظریات وافکار اور جرمن علماء کی کاوشوں نے مذاہب کے ارتقاء اور مذہبی عقائد و نظریات کے فرضی اور افسانوی ہونے کی عمومی فضا قائم کر دی تھی۔ ریماروس کی تاریخی اور ادبی تنقید نے عیسائی مصادر و مآخذ کی استنادی حیثیت کو تباہ و برباد اور بائبل پر اعتماد کی فضا کو پارہ پارہ کر دیا تھا۔ ریماروس نے بائبل کی پراگندہ اور خلاف عقل تعلیمات کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہوئے اناجیل کی تطہیر کا بیڑہ اٹھایا اور ان کو مکمل طور پر مافوق الفطری عناصر سے پاک کر دیا۔ کنواری مریم کے بطن سے پیدائش، تمام معجزات، عقیدہ تجسیم، حلول، بعثت وغیرہ کے تمام قصے کہانیاں، یسوع کی پیشین گوئیاں اور اسی نوعیت کے دیگر مسائل اس "تطہیر" کے مرکزی عنوانات تھے۔

مزید برآں اس نے یسوع مسیح کے دوران حیات کے اعمال کے متعلق تمام تر تفصیلات کو نظر انداز کر دیا کیونکہ اس کے نزدیک یہ سب یسوع کے بعد حواریوں کی افسانوی کاوشوں کا نتیجہ تھے۔اس کی سب سے زیادہ خشم آلود اور سخت تنقید یہ دعویٰ ہے کہ اصلی اور حقیقی یسوع ایک سیاسی یسوع تھے جنہوں نے تدریجاً روحانیت کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ اس کی رائے میں یسوع کی منزل اور مقصد اُخروی نجات یا خدا کی الوہی بادشاہت نہیں بلکہ وہ تو دنیاوی اقتدار و حکومت اور بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دلانے کی تلاش میں تھے۔اپنے ان عزائم کی تکمیل کے لیے یسوع کو خدائی مدد درکار تھی اور یسوع کو اس کی توقع بھی تھی لیکن جب ان کے ارادے ناکام ہوگئے اور رومی سپاہی انہیں گرفتار کرنے کے لیے آگئے تو وہ سخت مایوس تھے۔ عین صلیب پر جو انھوں نے الفاظ ادا کیے وہ ان کی اس کیفیت کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں : "باپ تم نے مجھے کیوں چھوڑ دیا"؟(۳۷)

اس صورت حال کے تناظر میں تاریخی یسوع کی تلاش کے نتائج اور اسلامی تاریخ میں دلچسپی رکھنے والے مغربی مفکرین کے حاصل مطالعہ کے درمیان چونکا دینے کی حد تک ایک مماثلت کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ کچھ لوگوں نے اس صورت حال کو اسلامی تاریخی کے معروضی مطالعے پر چسپاں کرتے ہوئے اسلامی مصادر کو بھی اسی طرح ناقابل اعتماد ٹھہرانا شروع کر دیا۔ ۱۸ویں صدی کی تاریخی یسوع کی تلاش اور عیسائیت پر تنقیدی فکر کے نتائج نے مستشرقین کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ مذکورہ بالا مغربی مفکرین کے علوم و مناہج کو اسلام اور سیرت النبی ﷺ پر لاگو کرنے کا تجربہ کریں۔(۳۸) مستشرقین نے اسلامی مصادر کے متعلق جو تاریخی و تنقیدی حکمت عملی اپنائی اس کا پہلا مرحلہ ابتدائی مآخذ تک رسائی اور ثانوی مآخذ کا ترک کرنا اور دوسرا مرحلہ ان بنیادی مآخذ کو "جیسے ہے" کی حالت میں قبول نہ کرنا بلکہ ان کا تنقیدی تجزیہ کرنا تھا۔ گستاف ویل (Gustav Weil) ان مغربی مصنفین میں سے ایک ہے جنہوں اسلامی مصادر کو اپنے تحقیقی کاوشوں کی بنیاد بنایا۔ اس نے پہلی مرتبہ ۱۸۳۴ء میں اپنی کتاب *Mohammad der Prophet* میں پیغمبر ﷺ کی سیرت پر 'تاریخی تنقیدی طریقہ کار(۳۹) (The Historical-Critical Method)' کا اطلاق کیا۔ تاہم اس کی ابتدائی مآخذ تک رسائی بہت محدود تھی، اس کے پاس صرف ابن ہشام کا ایک نسخہ تھا۔(۴۰)

ابن ورّاق اور اس کے منتخب مستشرقین، بالخصوص آرتھر جیفری اور ایف۔ای پیٹرز نے بھی البرٹ شویٹزر کی اس "تلاش" کو سیرت پر منطبق کر کے پیغمبر اسلامی ﷺ کی تاریخی حیثیت کو چیلنج کرنے پر قوت فکر صرف کی ہے۔ آرتھر جیفری وہ پہلا مستشرق ہے جس نے پیغمبر اسلام کی تاریخی حیثیت کو موضوع تحقیق بناتے ہوئے ۱۹۲۶ء میں اپنے ایک مقالے میں باقاعدہ طور پر "تاریخی محمد کی تلاش (The Quest for the Historical Muhammad)" کی اصطلاح وضع کی جو دراصل البرٹ شویٹزر کی کتاب کے منٹگمری واٹ کے عطا کردہ عنوان کا ہی چربہ ہے۔ جیفری نے شویٹزر کی پیروی میں استشراقی تنقیدی مناہج اپناتے ہوئے ایک تنقیدی تحقیق کی روشنی میں پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت کے تاریخی جائزے کی طرف قدم اٹھایا۔ اس کی رائے میں اب وہ وقت آ پہنچا تھا کہ تمام سیرتی مواد کو جمع کر کے کچھ نتائج اخذ کیے جائیں اور تنقیدی و تحقیقی علمیت کے رجحانات پر غور و فکر کے بعد تحقیق و تفتیش کے وہ معیار طے کیے جائیں مستقبل میں جن کو راہنما بنایا جا سکے۔(۴۱) لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ اس تحقیق و تفتیش کے لیے مسلمانوں کی اہلیت کو مشکوک قرار دیتے ہوئے مستشرقین کو آگے بڑھنے کی تلقین کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس تفتیشی نوعیت کے کام کے لیے اگر ہم شوِیٹزر جیسے

عبقری اور علمی صلاحیتوں سے لیس کسی مسلمان عالم کا انتظار کریں تو یہ انتظار بہت طویل ہو سکتا ہے ہمیں خود ہی اس تفتیش کی منصوبہ بندی اور خاکہ تیار کرنا ہوگا۔

> We may have long to wait for the rise of an Islamic scholar with the genius and scholarly preparation of a Schweitzer، to undertake this task، but we may endeavor with more or less success to briefly sketch the outlines of such an investigation. (۴۲)

۱۹۸۰ء میں اس موضوع پر جرمنی میں ایک باقاعدہ سیمینار منعقد کیا گیا۔اس کا موضوع ہی یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ کی سوانح عمری کے جو مصادر اور مآخذ ہیں وہ غیر مستند ہیں اور غیر مستند مآخذ کی موجودگی اور مستند مآخذ کی عدم موجودگی میں تاریخی اور حقیقی محمد ﷺ کا پتہ کیسے چلایا جائے۔(۴۳)

مغربی مفکرین کی تاریخی یسوع کی تلاش اور مستشرقین کی مصادر سیرت کے استناد پر تنقید میں سب سے اہم مماثلت روایتی مصادر کی ثقاہت پر سوالیہ نشان ہے یا انہیں مکمل طور پر ناقابل اعتماد ثابت کرنا ہے اور دلچسپ بات ہے کہ یہ معاملہ مسلمان علماء کی کتب میں بھی اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔(۴۴) تاہم مسلمان علماء نے مافوق الفطری واقعات کی عقلی توجیح بھی بیان کر دی ہے۔(۴۵) لیکن سیرت مسیحؑ اور سیرت نبوی ﷺ میں امتیازی فرق یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ ایک انسان تھے 'یسوع کی طرح ربوبیت' موت کے بعد زندہ ہونا یا اس قبیل کے دوسرے مافوق الفطرت واقعات آپ ﷺ سے منسوب نہیں ہیں۔ قرآن کریم البتہ آپ ﷺ کا ایک زندہ جاوید معجزہ ہے جس نے بڑے بڑے جغادری عقلیت پسندوں کو حیران و سرگرداں کر رکھا ہے۔ اس معجزہ کی عقلی و منطقی توجیح اس قدر بلند آہنگ ہے کہ خود عقل اس کی رفعتوں کے سامنے عاجز و پریشان ہو جاتی ہے۔اس تناظر میں یہ نظریہ پیش کرنا کہ اصل پیغمبر اسلام ﷺ جنہوں نے تاریخ میں زندگی گزاری اور وہ پیغمبر اسلام جنہیں روایتی اسلامی مصادر بیان کرتے ہیں باہم مختلف ہیں ایک مفروضہ ہے جو کئی الجھنیں پیدا کرنے کا سبب بن گیا ہے۔ لیکن عصر حاضر میں مستشرقین کے نزدیک ان مصادر اسلامیہ میں بکھرے ہوئے مواد کی مدد سے پیغمبر اسلام ﷺ کی اصلی یا تاریخی شخصیت کی تلاش محض ان کے تعصب کی غماز ہے۔

مصادر سیرت کی تاریخی حیثیت کے متعلق دوسری اہم بحث جدید استشراقی فکر نظریہ نظر ثانی کے حامی مثلاً جوڈت کورن اور یہودہ ڈی۔ نیفو کا دعویٰ ہے کہ سیرت کے اسلامی مآخذ کی تصدیق غیر اسلامی ذرائع سے کرنی چاہیے۔ اگر دونوں میں اختلاف ہو جائے تو پھر غیر اسلامی ذرائع کو ترجیح دی جائے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا غیر اسلامی مآخذ سیرت نبوی ﷺ کے متعلق تسلی بخش معلومات فراہم کرتے بھی ہیں یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو کیا ان مآخذ کی اہلیت غیر جانبدارانہ مآخذ کے طور پر تصدیق ہو سکتی ہے؟خود غیر مسلم مورخین کی اس بارے کیا رائے ہے؟ان سوالات کے جوابات ہم ابن وراق کے اپنے تعارفی مضمون (Introduction) سے ہی تلاش کرتے ہیں۔

ابن وراق نے سیرت نبوی ﷺ کے غیر اسلامی مآخذ کی جو فہرست پیش کی ہے اس میں تعلیمات یعقوبی (Doctrina Jacobi) کے کے مطابق "محمد فتح فلسطین کے موقع پر حیات تھے" (۴۶) کیا اس نوع کے غیر اسلامی ذرائع واقعی تاریخی اعتبار سے کچھ اہمیت رکھتے ہیں؟ کیا کوئی بھی تاریخ کا ادنی ساطالبعلم بھی اس جیسے غیر اسلامی مآخذ کو اسلامی مآخذ پر ترجیح دے سکتا ہے؟ اسی طرح دیگر غیر مسلم مورخین کی کتب تعصب اور اسلام دشمنی سے بھرپور ہیں۔ اس کی فطری وجوہات یہ ہیں کہ غیر مسلم مورخین زیادہ تر غیر عرب اور مسلمانوں کے مفتوح تھے انہوں نے مسلمانوں کو دشمن کے طور پر دیکھا' سمجھا اور بیان کیا۔ ان کو عہد نبوی ﷺ کے مدینہ منورہ میں موجود عینی شاہدین کی شہادت پر ترجیح دینا ایک صحت مند اور علمی سوچ ہرگز نہیں ہو سکتی۔

غیر اسلامی مآخذ کی کیفیت کی طرح ان کی کمیت بھی ابتدائے اسلام کی تاریخ کے بیان سے قاصر ہے۔ اس کا اقرار ابن وراق نے آر۔ ایس ہمفریز (R.S. Humpereys) کے حوالہ سے کیا ہے:

> An adequate and convincing reconstruction of Islam's first century from these materials alone is simply not possible. (۴۷)
>
> اسلام کی پہلی صدی (کی تاریخی حیثیت) کی ایک موزوں اور معقول از سر نو تعمیر محض ان مواد (غیر مسلم مآخذ) کی بنیاد پر ممکن نہیں۔

تعلیمات یعقوبی ساتویں صدی عیسوی اور پہلی صدی ہجری کے اوّلین غیر اسلامی مآخذ میں سے ہے جس میں حضور ﷺ کا نامِ گرامی لیے بغیر آپ ﷺ کا تذکرہ ملتا ہے کہ "وہ عربوں کے پیغمبر کے طور پر ظاہر ہوئے ہیں جن کے پاس جنت کی کنجیاں ہیں" (۴۸) اسی عہد کے دیگر غیر اسلامی مورخین نے پیغمبر اسلام ﷺ کو مسلمانوں کے ہادی و راہنما کے طور پر پیش کیا ہے جنہوں نے جھوٹ' زنا' شراب اور مردارخوری پر پابندی لگائی۔ ان مآخذ میں سے اکثر میں حضرت محمد ﷺ کے پیروکاروں کو عقیدہ توحید پر کاربند اور دین ابراہیمی کے ماننے والوں کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ (۴۹) ایک اور دلچسپ روایت سیبیوس (Sebeos) کی ہے جو بارگراتونس (Bargratunis) کا پادری تھا پیغمبر اسلام ﷺ کے عہد کا یوں ذکر کرتا ہے؛ "اس وقت بنی اسماعیل میں سے ایک تاجر مہمٹ (محمد) گویا خدا کے حکم سے ایک مبلغ اور ہادی کے طور پر آیا"۔ (۵۰)

سیرت نبوی ﷺ کی تاریخی حیثیت پر مستشرقین کے سوالات کو ہم ان کی طرف بھی لوٹا سکتے ہیں کہ اگر سیرت عیسیٰ کی تاریخی حیثیت کو یہودی اور دیگر مذاہب کے مآخذ کی روشنی میں ترتیب دیا جائے تو اس کے نتائج کیا ہوں گے؟ جہاں تک سیرت کے اسلامی مصادر پر اعتماد کا تعلق ہے تو اس معاملہ میں خود مستشرقین بھی باہم متفق نہیں بلکہ دو گروہوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ پہلے گروہ نے ان مصادر کے متعلق منفی اور مایوسانہ قسم کا رویہ اپنایا ہے۔ ان کے مطابق تاریخ اسلام کے مآخذ کو پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے بہت بعد ورطہ تحریر میں لایا گیا اور یہ وہ وقت تھا جب مسلمان مذہبی فرقوں اور سیاسی جماعتوں اور گروہ بندیوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کی حقیقی سیرت نگاری کی بجائے

اپنے عہد کے نفسیاتی رجحانات اور تعصّبات کو پیش کرنا شروع کر دیا۔ یہ سب کاوشیں اپنے فرقہ اور سیاسی گروہ کی حمایت کے لیے تھیں جو افسانوی اور پُر عظمت داستانوں پر مشتمل تھیں۔ اس گروہ کے سر خیل گولڈ زیہر، لیمنز، پٹریشیا کرون اور مائیکل کک ہیں۔ مستشرقین کا دوسرا گروپ اس خیال کا حامی ہے کہ اسلامی مصادر میں اگرچہ بہت سی کمزوریاں اور خامیاں ہیں لیکن ان کو مکمل طور پر نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے مطابق مصادر کا یہ عظیم ذخیرہ پیغمبر اسلام ﷺ کا ایک عام اور مجموعی قسم کا خاکہ تیار کرنے میں مدد و معاون ہو سکتا ہے اور ان مصادر کے وسیع اور عمیق مطالعہ کے نتیجے میں ٹھوس معلومات اخذ کر کے پیغمبر اسلام ﷺ کی ایک معیاری سیرت بھی مرتب کی جا سکتی ہے۔ اس گروپ کے نمائندوں میں اینڈریو رپن، منٹگمری واٹ اور مارٹن فارورڈ (Martin Forward) وغیرہ شامل ہیں۔ (۵۱)

مصادر اسلامیہ اور طلوع اسلام کی تاریخ کے تحریری اور تاریخی شواہد پر مسلمان علماء اور مستشرقین کے مابین جو اختلافات پائے جاتے ہیں ان میں بنیادی مسئلہ شواہد پر اعتماد کا ہے جو بالخصوص اسلامی روایات ہی میں ملتا ہے۔ اسلام میں منصوص شہادت قرآن کریم، سنت و احادیث نبوی ﷺ اور تعامل امت کی روایات پر مشتمل ہے۔ نقش و نگار یا خطاطی پر مشتمل شواہد عام طور پر مساجد، محلات، مقابر، کتبہ جات، سکّوں اور دیگر اشیاء سے حاصل کیے جاتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کیا ایک مورّخ کو یہ تمام شواہد بلا کم و کاست قبول کر لینے چاہئیں؟ یا اسے ان مآخذ کا تنقیدی جائزہ لے کر زیادہ تر شواہد کو بلا توقف مسترد کر دینا چاہئیے؟ ایک سنجیدہ قاری کو اس وقت ایک مضحکہ خیز صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے جب دونوں فریقین شدت پسندی اختیار کر لیتے ہیں۔ ایک فریق اسلامی مآخذ کی قبولیت کے حوالے سے موضوع روایات پر بھی اصرار کرتا ہے اور دوسرا فریق تمام تر اسلامی روایت کو مسترد کر کے صرف غیر اسلامی مآخذ پر اعتماد کرنے پر زور دیتا ہے۔ مستند مآخذ تک رسائی کے لیے مسلمان علماء نے نقد و جرح کے بعد دستیاب مواد کی بنیاد پر ممکنہ حد تک ابتدائے اسلام کی تاریخ کو مدون کیا ہے جسے کلی طور پر مسترد کر دینے سے ایک ناقابل رشک صورت حال پیدا ہو جاتی ہے کہ اس علم کی تحقیق کرنا جس کا وجود ہی نہیں۔ اگرچہ نقدِ مآخذ سے بے اعتنائی بھی غیر علمی رویہ ہے لیکن اکثر نقادوں کے طریقہ کار کا انتخاب ادھورا اور تشنہ ہوتا ہے۔ ہمارے خیال میں متوازن رائے یہ ہے کہ نقد و جرح کے بغیر نہ تو غیر اسلامی مآخذ کو قبول کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسلامی مصادر سے ان روایات کا انتخاب کیا جا سکتا ہے جو مخصوص نظریات کو تقویت دیتی ہوں۔ اس طرح کا طرزِ عمل ایک علمی بددیانتی ہے۔ مستشرقین کی اسلامی مآخذ کے بارے طرز فکر کے ادراک کیلئے فریڈ۔ ایم ڈونر (Fred. M Donner) کا تجزیاتی مطالعہ بڑی حد تک مدد و معاون ہو سکتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اسلامی بنیادوں کی حقیقت تک پہنچنے کیلئے اسلامی مآخذ پر تشکیک (Skepticism) کا یہ نظریہ ہے کہ اسلامی روایات کا اکثر حصہ ناقص اور سرسری سا ہے جو اسلامی بنیادوں کی ایک مبہم اور مشکوک تصویر کشی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم طلوع اسلام کی حقیقت کے متعلق بہت کم جانتے ہیں لیکن اس سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حقیقت حال تک پہنچنے کے لیے ہم اسلامی روایات کے متبادل کو کیوں پیش کرتے ہیں؟ اگر ہم واقعی نہیں جانتے کہ حقیقت میں کیا ہوا تھا تو پھر یقیناً اسلامی روایات کسی بھی متبادل کے طور پر معلومات مہیا کرتی ہیں۔ (۵۲)

خلاصہء بحث:

مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مابین مصادر کی ثقاہت پر موافقت انیسویں صدی سے پہلے ہی غائب ہو گئی تھی۔(۵۳) ۱۹ویں صدی میں مسلمانوں کو اس مغربی فکر سے اس وقت مجادلہ کا سامنا تھا جب وہ سیاسی، معاشی اور عسکری محاذوں پر اہل مغرب کے ہاتھوں روبہ شکست تھے لہٰذا اس مجادلہ کے نتائج ناگزیر طور پر مغربی نکتہ نظر کی فتح کی صورت سامنے آئے جس کے اثرات ہم مستشرقین کی تحاریر میں انا، طاقت اور علم کے مزعومات کی صورت جا بجا محسوس کر سکتے ہیں۔مثال کے طور پر مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنی اصل حالت میں محفوظ ہے جبکہ مستشرقین کی اکثریت مسلمانوں کے اس عقیدے کو تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کے سامنے بائبل پر اصول انتقاد اعلیٰ (Principles of Higher Criticism) کے اطلاق کے نتیجے میں تحریف کی ایک تاریخ موجود ہے۔ وہ علمی یا تحقیقی جذبے کی بجائے مذہبی تعصب یا سیاسی مقاصد کے لیے انہی اصول انتقاد اعلیٰ کو قرآن کریم پر منطبق کرتے ہیں لیکن اپنی انا کی تسکین کے لیے کچھ دریافت نہیں کر پاتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے ابتدائی دور میں ہی حفاظت قرآن کے لیے کڑے اصول و ضوابط، متنی تنقید کے سخت ترین قوانین، جمع وتدوین اور تشہیر قرآن کے خاص اسلامی منہج اور نقدِ متن کے بہت سے نئے اور پیچیدہ علوم (علوم القرآن) دریافت کر لیے تھے۔ بائبل پر اصول انتقاد اعلیٰ کے اطلاق کے آغاز سے کئی صدیاں پہلے عہد نبوی ﷺ میں ہی مسلمان ان مراحل سے گزر چکے تھے۔ بائبل کی مختلف کتب کی تدوین کے درمیان ایک عرصہ کا فرق موجود ہے لیکن قرآن کریم کے معاملہ میں ہرگز ایسا نہیں ہے۔یہ حقیقت ہے کہ اولین مسلمان علماء کے تنقید متن کے اپنائے ہوئے اعلیٰ اصول آج بھی بیسویں صدی کے مستشرقین کے اصول انتقاد اعلیٰ کی بنیاد ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آج قرآن ہمارے پاس محفوظ حالت میں موجود ہےاور اس حقیقت کو بعض مستشرقین نے تسلیم بھی کیا ہے۔ ولیم میئور(William Muir) نے اس کا یوں اعتراف کیا ہے:

> There is probably no other book in the world which has remained twelve centuries (now fourteen) with so pure a text.(۵۴)

لیکن ابن وراق کا مقصد قرآن کریم کی حفاظت و ثقاہت پر سوالات اٹھانا ہے۔اس کا متعصب مستشرقین کی تحاریر کا انتخاب ادبی اور علمی لبادے میں اسلام مخالف ایجنڈے کو آگے بڑھانا ہے کیونکہ اس کے انتخاب سے یہ بات واضح ہے کہ اس کے مد نظر صرف قرآن کریم پر اعتراضات کی نشر و اشاعت ہے جبکہ اس کے اختیار کردہ مناہج باہم متصادم ہیں۔ایک طرف تو وہ گولڈ زیہر اور جوزف شاخت کے حوالے دیتا ہے جن کے دلائل کی بنیاد تاریخ پر ہے اور ساتھ ہی جان وانسبرو اور اینڈریو ریپن کی طرف لوٹ آتا ہے جنہوں نے اسلامی مصادر کی جانچ پرکھ کو تاریخ کی بجائے ادبی تنقید کے ذریعے کرنا چاہتے ہیں۔ احرار احمد کے بقول ابن وراق نے نکلسن(R.A. Nicholson)، مارگولیتھ(D.S. Margoliouth)، گولڈ زیہر اور روڈنسن(Maxime Rodinson) وغیرہ جیسے اصل اور ممتاز سکالرز کو نظرانداز کر دیا ہے۔اسی طرح منٹگمری واٹ(Montgomery Watt)، نارمن ڈینئیل(Norman Daniel)اور جان اسپوسیٹو(John

Esposito)وغیرہ جیسے غیر متعصب مستشرقین کو بھی قابل اعتناء نہیں سمجھا گیاجو مذہب کی گہری سمجھ رکھتے ہیں اور جنہوں نے اسلامی مصادر کی ثقاہت اور استنادی حیثیت کا اعتراف کیاہے بلکہ انہیں اسلام کے متعلق معذرت خواہانہ رویہ رکھنے پر تیز و تند تنقید کا نشانہ بنایا گیاہے۔یہی وجہ ہے کہ ابن وراق کا انتخاب اس کی علمی دیانت کی بجائے اسلام پر تنقید کے حاملین کی خوشامد کا مظہر زیادہ ہے۔(۵۵)

یہی معاملہ اس کی سیرت پر کتاب The Quest For the Historical Muhammad کا ہے۔ابن وراق دعویٰ ایک ایسی کتاب پیش کرنا ہے جو نظریہ نظرثانی کے حامیوں(Revisionists) اور روایت پسندوں (Traditionalists) کے درمیان ابتدائے اسلام کے متعلق ابحاث کو منطقی سیاق و سباق(Intellectual Context) کا ایک مناسب پس منظر مہیا کرسکے(۵۶) لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابن وراق اس بحث میں کسی نئی فکر کا اضافہ نہیں کرسکا۔البتہ اس کی سوچ پر نظریہ نظرثانی کے حامیوں کے نظریات سے انتہائی والہانہ وابستگی کے اثرات عیاں ہیں جس کا ثبوت اس کا جانبدارانہ مضامین اور تراجم کا انتخاب ہے۔ابن وراق کا یہ منہج اختیار کرنے کا مقصد کوئی آزادانہ یا غیر جانبدرانہ تحقیق نہیں بلکہ "طلوع اسلام کی تاریخی اور استنادی حیثیت کو تسلیم کرنے یا اس کے بارے متوازن اور معتدل آراء کے حامل مورخین پر ایک کامل تنقید کرنا ہے"۔(۵۷) ابن وراق کی یہ تنقید برائے تنقید کی نزاعی فکر برنارڈ لیوس (Bernard Lewis) کے مورخین کے لیے بیان کردہ ان اصول سے متصادم ہے جن سے کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ :

Historians in free countries have a moral and professional obligation not to shirk the difficult issues and subjects that some people would place under some sort of taboo; not to submit to voluntary censorship، but to deal with these matters fairly، honestly، without apologetics، without polemic، and، of course، competently.(۵۸)

آزاد ممالک کے مورخین کی یہ اخلاقی اور پیشہ ورانہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان تمام معاملات اور موضوعات سے اعراض نہ کریں جن پر بات کرنا بعض لوگ حرام سمجھتے ہیں' نا انہیں رضاکارانہ احتساب کے حوالے کریں بلکہ ان معاملات کو شفاف' دیانتدارانہ 'بغیر کسی ندامت 'بغیر کسی مناظرے کے 'پوری قابلیت سے بحث کریں۔

اس موضوع پر جوزف ہورو وٹز(Joseph Horovitz) (۵۹)' باسورتھ اسمتھ(R. Bosworth Smith) (۶۰)' ایچ۔ موٹسکی (H. Motzki) (۶۱)' یوری روبن (U. Rubin) (۶۲) جیسے نسبتاً معتدل مستشرقین کے خیالات بھی قابل قدر ہیں جو ابن وراق نے تعصب کی وجہ سے شامل نہیں کیے کیونکہ یہ مضامین نظریہ نظرثانی کے حامیوں کے نظریات کو چیلنج کرتے ہیں۔ابن وراق کی اس غیر متوازن طرز فکر نے The Quest for the Historical Muhammad کو ایسی کتاب بنادیا ہے جو ایک عام قاری کو گمراہ کردیتی ہے۔اس پر مستزاد ابن وراق کا ایجنڈا ہے جو کسی علمی خدمت کی بجائے خالصتاً اسلام دشمنی پر مبنی ہے۔اسے ان مستشرقین کی ہر اس رائے سے سخت نفرت ہے جس میں اسلام کے

لیے حمایت کی ہلکی سی بھی رمق موجود ہو۔یہی وجہ ہے کہ اس نے منٹگمری واٹ جیسے ممتاز مستشرق کی اسلامی مصادر کے بارے رائے کو 'غلط اعتقاد' (Bad Faith) قرار دیتے ہوئے سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔(۶۳)

اس سے بھی فکر انگیز یہ حقیقت ہے کہ مذکورہ کتاب علم و ادب کے لبادے میں لپٹی ہوئی بین المذاہب انتشار و فساد کی ایک گھمبیر اور مکروہ کاوش ہے۔اس مجموعہ مضامین میں بعض مضامین علمی اور تحقیقی ابحاث پر مشتمل ہیں جو تحقیق کے حوالے سے مثبت اور تعمیری نتائج کے حامل ہو سکتے ہیں لیکن کتاب کے تعارف میں ابن وراق نے جس طرح ماخذ اسلامی کو یکسر غلط اور بے بنیاد قرار دیتے ہوئے انتہائی جارح مزاج اور مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے والی علمی کاوشوں کی ضرورت پر اصرار کیا ہے اسے ایک دہشت گرد' انتہا پسند اور علم دشمن فکر تو کہا جا سکتا ہے لیکن کوئی سنجیدہ قاری اسے علمی و تحقیقی سوچ نہیں قرار نہیں دے سکتا۔ جیسے فریڈ۔ ایم ڈونر کی رائے ہے کہ The Quest for the Historical Muhammad کی اشاعت ایک انتہائی ناخوشگوار واقعہ ہے کیونکہ ابن وراق کے غیر علمی رویے کی وجہ سے نظریہ نظر ثانی مسلمانوں کے نزدیک عدم برداشت کے حامل نظریے کے طور پر دیکھا جا رہا ہے جس نے اسلام کی ابتدائی تاریخ پر تحقیق کو مزید مشکل بنا دیا ہے۔(۶۴)

حوالہ جات

1. Toby Lester, *What is the Koran?* The Atlantic Monthly, January, 1999, pp.43-56.
2. Interview with Ibn Warraq, Qantara.de 19-07-2007 Translated from the German by Katy Derbyshire retrieved on 14.05.09 from http://www.qantara.de/webcom/wcsearch.php?suchbereichid=62&wc _search=articles+of+ibn+warraq &submit.x=31&submit.y=5
3. Ibn Warraq, Interview with Radio National Post, Religion Report, Sydney, Australia, on 10-10-2001.
4. Ibn Warraq - The Need for Qur'anic Criticism, Part Source: retrieved on 15-11-2010 from http://newsgroups.derkeiler.com/Archive/Soc /soc.culture.indian/2006-05/msg00321.html
5. Ibn Warraq, Why I Am Not A Muslim, (New York: Prometheus Books, 1995), p.56
6. Ibn Warraq, The Origins of the Koran, p.10-
7. Ibid, p.39-40
8. Ibid, p.56
9. Ibn Warraq, The Origins of the Koran ,p. 85
10. السیوطی 'جلال الدین' اتقان فی علوم القرآن' قاہرہ ۱۹۶۷' ص ۴۷۔۴۷
11. ایضاً
12. بخاری' محمد بن اسماعیل' الجامع الصحیح 'کتاب الجہاد' ج ا' ص ۴۱۹۔۲۰' حدیث نمبر ۲۹۹۰
13. خطیب تبریزی' ولی الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ' مشکوٰۃ المصابیح' کتاب فضائل القرآن' ج ۲' ص ۳۵۴' حدیث نمبر ۶۷۷
14. بخاری' الجامع الصحیح 'کتاب فضائل القرآن' ج ۲' ص ۶۵' حدیث نمبر ۱۸۶۳

15. ابن مجاہد، احمد بن موسیٰ، السبعہ فی القرات، ص ٦
16. عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری، فاروقی کتب خانہ ملتان، ج ۹، ص ۱۵۔ ۱۴
17. عسقلانی، ابن حجر، فتح الباری، ج ۹، ص ۱۰
18. ایضاً
19. برجسٹراسر، اصول النقد النصوص و نشر الکتب، قاہرہ ۱۹۶۹، ص ۱۴
20. بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الوحی، ج ۱، ص ٦، حدیث نمبر ۳
21. Ibn Warraq, The Origins of the Koran: Classical Essays on Islam's Holy Book, Prometheus Books, N.Y 1998, p.9
22. Ibid
23. Ibid, p.29
24. Ibid, p.352
25. Ibid, p.10
26. Ibid, p.227
27. Ibid, p.95
28. Ibn Warraq، The Quest for the Historical Muhammad, pp.15-88
29. Ibid, pp.217-18
30. Ibid, p.330
31. Ibid, p.339
32. Ibn Warraq, The Quest for the Historical Muhammad, p.358
33. Ibid, p. 368
34. Ibid, p.420
35. Ibn Warraq, The Quest for the Historical Muhammad, p.444
36. Schweitzer, Albert, *The Quest of the Historical Jesus*, Minneapolis: Fortress Press, 2001, pp. 15-16
37. Bennett, Clinton, *In Search of Jesus*, London and New York: Continuum, 2001, p. 96-97
38. Rodinson, Maxime, "A Critical Survey of Modern Studies on Muhammad", in *Studies on Islam*, ed. Merlin L. Swartz, New York-Oxford: Oxford University Press, , 1981, p. 24
39. اس طریقہ کار میں مذہبی مآخذ اور مصادر کا تنقیدی جائزہ لیا جاتا ہے کہ یہ مصادر چونکہ انسانی کاوشوں کا مظہر ہیں اس لیے غیر جانبداری کی بجائے اپنے مولفین کے مذہبی رجحانات کی ہی عکاسی کرتے ہیں۔ اس طریقہ کار کی جڑیں نشاۃ ثانیہ تک پہنچتی ہیں جسے مغربی مفکرین مثلاً گروشیس، سائمن، اور سپائنوزہ وغیرہ نے ۱۷ویں اور ۱۸ویں صدی میں ترقی دی اور ۱۹ویں صدی میں یہ تاریخی فکر کی شکل اختیار کر گیا۔ اس طریقہ کار کا بنیادی مفروضہ یہ ہے کہ کہ مذہبی مصادر وہ نہیں بتاتے جو اصل تاریخی حقائق ہیں بلکہ یہ تو ان مصادر کے مؤلفین کے خیالات و نظریات کے ترجمان ہوتے ہیں۔ البتہ ان مصادر میں تھوڑی بہت صداقت پنہاں ضرور ہوتی ہے جو حقائق کی کمترین مظہر ہو سکتی ہے۔ گویا یہ طریقہ کار مؤلفین پر ایک تہمت اور بہتان ہے کہ وہ جان بوجھ کر یا اپنی سادگی کی وجہ سے حقیقت بتا نہیں پاتے۔

40. Jeffrey, Arthur, “The Quest of the Historical Muhammad”, in The Quest for the Historical Muhammad, ed. Ibn Warraq, New York: Prometheus Books, 2000, p. 344
41. Ibid, p.339
42. Ibid, p.339
43. غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات سیرت، الفیصل ناشران، لاہور ۲۰۰۹ ء، ص ۲۱۲
44. خان، سر سید احمد، الخطبات الاحمدیہ، منزل نقشبندیہ، لاہور، ۱۹۱۴ء، ص ۱۲-۱۵
45. حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، محمد رسول اللہ، حیدر آباد، ۱۹۷۴
46. Ibn Warraq, The Quest for the Historical Muhammad, p.32
47. Ibn Warraq, The Quest for the Historical Muhammad, p.35
48. R. G. Hoyland, Seeing Islam As Others Saw It: A Survey And Evaluation Of Christian, Jewish And Zoroastrian Writings On Early Islam, 1997, pp. 119-120
49. Ibid
50. R. W. Thomson (with contributions from J. Howard-Johnson & T. Greenwood), The Armenian History Attributed To Sebeos Part - II: Historical Commentary, Liverpool University Press, 1999, Translated Texts For Historians - Volume 31, pp. 95-96
51. Bennett, ibid, pp. 37-40
52. Donner, Fred M., Narratives of Islamic Origins: The Beginning of Islamic Historical Writings, Princeton, NJ, 1998
53. Forward, Martin, *Muhammad: A Short Biography*, Oxford: Oneworld, 1997, p. 3
54. Muir, William Life of Mohamet, Vol. I., Edinburg 1923, Introduction, p. iv
55. Ahmad, Ahrar, Warraq’s War: A Critical Review, The American Journal of Islamic Social Sciences21:3, Winter 2010, Washington
56. Ibn Warraq, The Quest for the Historical Muhammad, p.9
57. Ibid, p.15
58. Ibid
59. The Earliest Biographies of the Prophet and Their Authors, Edited by Lawrence I. Conrad, (New Jersey: The Darwin Press, 2002).
60. Smith, R. Bosworth, Muhammad and Mohammadanism, London, 1876
61. Motzk, i Harald, The Biography of Muhammad: The Issue of Sources, Brill, Lieden 2000
62. Rubin, Uri, The Eye of the Beholder, The Life of Muhammad by the Early Muslims, 1995
63. Ibn Warraq, The Quest for the Historical Muhammad, p.20
64. Donner, Fred M, Book Review of Ibn Warraq's "The Quest for the Historical Muhammad", NY: 2000, Middle East Studies Association Bulletin, Volume 35, Number 1, Summer 2001, Cambridge University Press, ISSN 0026-3184, p. 75